شذرات

امام عبید اللہ سندھی کی شخصیت

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کے بیان پر ایک نظر

مدینہ منورہ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۴۵ء میں "مولانا عبید اللہ سندھیؒ" کے عنوان سے مولانا حسین احمد مدنی کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس مضمون کے بعض جملوں پر نظر و بحث کی جائے، میں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کو حضرت مولانا مدنی کی ذات گرامی کے متعلق کسی گستاخی پر محمول نہ کیا جائے۔ حضرت مولانا مدنی احقر راقم کے نہ صرف استاد ہیں، بلکہ سلوک میں وہ میرے پیر طریقت بھی ہیں۔ اس مضمون کی تحریر سے مقصود صرف یہ ہے کہ امام عبید اللہ سندھی پر جو الزامات عائد ہوئے ہیں، ان پر حقیقت کی نظر ڈالی جائے اور امام سندھی کی برأت پیش کی جائے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ وہ ایک نہایت مشغول شخص ہیں۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ مولانا سندھی کے افکار کا مطالعہ کر کے کوئی رائے قائم کریں۔ یہ سب کچھ بالواسطہ ان کی سازش ہے جو گورنمنٹ کے ایجنٹ ہیں اور عقید تمندوں کا لبادہ اوڑھ کر مولانا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ بیان کے ابتدائی حصے میں مولانا سندھی کے بارے میں کہا گیا ہے:

"مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم ذکی الطبع اور سمجھ بوجھ والے جفاکش اور محنتی، ابتدائے عمر سے واقع ہوئے تھے۔ عنفوان شباب کی غلط کاریوں اور لغو و فضول حرکات جو کہ اس زمانے میں نوجوانوں میں عموماً پائی جاتی ہیں، مرحوم میں ان کا وجود نہ تھا۔ ان کا تمام زمانہ طالب علمی، استقامت اور اعتدال سے مزین رہا۔ کتب بینی اور مشاغل علمی میں انہماک رکھتے تھے۔

شہادت نے ان کی تمام شمعوں کو بجھادیا۔ تاہم فطرت نے ان کو لوہے کا قلب اور نہ تھکنے والا دماغ دیا تھا، وہ اپنی جدوجہد میں مصروف رہے۔ جب امیر امان اللہ خان سریرا والے رخصت ہوگئے تو موصوف نے اپنی جدوجہد کا مرکز ان کی ذات ستودہ صفات کو قرار دیا۔ افغانستان کی جنگ آزادی میں مرحوم کی اسکیموں اور کوششوں کا بڑا حصہ شامل تھا، چنانچہ ایک مشہور جنگی انگریز افسر کا قول ہے کہ "یہ کامیابی افغانستان کی نہیں ہے، بلکہ مولانا عبیداللہ کی فتح ہے۔"

مولانا عبیداللہ سندھی کے سفر کابل کے بارے میں لکھنے کے بعد وطن اور مذہب کی آزادی کی راہ میں ان کی قربانیوں کے بارے میں مولانا مدنی تحریر فرماتے ہیں:

"وطن اور مذہب کی آزادی کے لئے اور بھی متعدد اشخاص نے مشکلات اور مصائب جھیلے ہیں، مگر مولانا عبیداللہ مرحوم کی سی مشکلات کسی نے نہیں جھیلیں۔ اگر غور کیا جائے تو پہاڑ اور ذرے کا فرق پایا جائے گا۔"

اس حد تک تو ہم مولانا مدنی صاحب کی رائے سے متفق ہیں، لیکن اس کے سوا مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کی صحت کے بارے میں ہمیں شبہ ہے۔ اگر واقعی یہ مضمون مولانا مدنی کا لکھا ہوا ہے تو پھر شاید مولانا مدنی کے علم میں امام سندھی کے آخری دور کے حالات مکمل طور پر نہیں ہیں۔ مولانا سندھی کے سفر روس، ترکی وغیرہ کے مصائب بیان کرنے کے بعد مولانا مدنی لکھتے ہیں:

"ان مصائب عظیمہ غیر متناہیہ نے اگرچہ مولانا مرحوم کو موت کے گھاٹ تک پہنچانے میں شکست کھائی اور مولانا کی سخت جانی ہی غالب رہی۔ تاہم وہ مولانا کے قلب اور دماغ کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مولانا دماغی توازن کھو بیٹھے، صبر و تحمل، حلم و بردباری، استقلال اور گراں باری وغیرہ نے جواب دے دیا۔ فکر، غور اور جرأت طبع جو کہ مولانا مرحوم کو مضامین عالیہ اور سیاسیات مدنیہ کی عمیق گہرائیوں تک پہنچانے والے تھے، وہ تقریباً کافور ہوگئے۔

مولانا مصائب جھیلتے ہوئے جب حجاز میں پہنچے اور ہم کو ان سے ملاقات کا شرف

حاصل ہوا ہے تو ان کی حالت دیکھ کر ہمارے تعجب اور تحیر کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہم نے دیکھا کہ مولانا کی وہ متانت اور زرافت، وہ حلم اور بردباری، وہ سکون و سکوت جس کو ہم پہلے مشاہدہ کرتے تھے، سب کے سب تقریباً رخصت ہو چکے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوجاتے ہیں۔ چیخنے چلانے لگتے ہیں، غصہ آجاتا ہے، باتیں بہت زیادہ کرنے لگے ہیں، بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد اور متخالف امور وطرز ہوتے ہیں۔

ہندوستان آنے کے بعد بھی ان احوال متضادین میں کمی نہیں ہوئی بلکہ کچھ اضافہ ہی رہا، جس کی بنا پر ہم کو یقین ہوگیا کہ مولانا کے دماغی توازن پر کاری اثر ہوا ہے اور کیوں نہ ہو جو ناساز احوال اور گوناگوں صدمات عظیمہ ان کو پیش آتے تھے، ان کا یہ اثر بہت ہی کم ترین اثر تھا۔ چنانچہ متعدد مجالس میں خود مولانا بھی اس کے مقر ہوئے۔ ایسے احوال میں یقیناً ہر چیز کا جاری اعتدال و استقامت سے ہٹ جانا اور جملہ شیون میں اختلال پیدا ہوجانا طبعی بات ہے۔

چنانچہ یہ دماغی انقلاب نہ صرف مولانا کی سیاسیات ہی تک محدود رہا بلکہ علمی اور مذہبی تقاریر اور تحریرات تک میں بھی متجاوز ہوا اور اسی امر نے مولانا کی اعلیٰ قابلیت اور بیش از بیش قربانیوں کے ہوتے ہوئے ہندوستانی پبلک اور سیاسی رہنماؤں میں اس پوزیشن اور رتبہ کو مولانا مرحوم کے لئے حاصل ہونے نہ دیا جس کے وہ یقیناً مستحق تھے۔

۱- اب ہم ان الزامات کا جائزہ لیتے ہیں جو مولانا مدنی صاحب کے اس مضمون سے مولانا سندھی پر صادر ہوتے ہیں۔ اس میں سب سے پہلا الزام یہ ہے کہ ان کی زندگی کے آخری دور کو دیوانگی کا دور بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چند شواہد یہ ہیں:

(الف) علامہ موسیٰ جاراللہ روسی بین الاقوامی شہرت کے عالم ہیں۔ ماوراء النہر کے علماء انہیں امام کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم کے حالات میں یہ بات فخریہ بیان کی گئی ہے کہ علامہ مرحوم کی حضرت شاہ صاحب سے ایک ہفتے تک علمی صحبتیں رہیں۔ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے علمی فضائل اور ذہنی وفکری کاوشوں کا اعتراف کیا۔ اس جلیل القدر عالم کے ایک تازہ لکھے ہوئے خط سے (جو

رسالہ توحید کراچی کے شمارہ باہتر ۶ فروری ۱۹۷۵ء میں شایع ہوا ہے) مولانا سندھی کی مکی زندگی کے مشاغل پر روشنی پڑتی ہے۔ علامہ موسیٰ جار اللہ اس خط میں لکھتے ہیں:

"روس سے امام عبیداللہ سندھی ۱۹۲۳ء میں روانہ ہوئے اور ترکی تشریف لے گئے۔ میں ۱۹۲۶ء میں استنبول میں ان سے ملا، اسی سال وہ حجاز تشریف لے گئے۔ بعد کے برسوں میں ان سے حرمین شریفین میں کئی مرتبہ ملا اور مکہ معظمہ میں کئی ماہ تک ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا۔ میں نے امام شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی بنیاد پر قرآن کریم پر ان کی تفسیری تقریریں لکھ لیں۔ فرصت کے ان قیمتی ایام میں میں نے ان کے جمہوری افکار اور قرآن کریم کے متعلق حکیمانہ مقاصد سے خوب واقفیت حاصل کرلی۔ بعض اوقات امام عبیداللہ فرماتے تھے کہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ مختلف مذاہب کی کانفرنس میں میں امام ولی اللہ کی کتابوں سے استدلال اور ان کے طرز فکر سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ثابت کروں کہ: "اے رسول کہہ دیجئیے! اے انسانو میں تم سب کے لیے رسول بن کر آیا ہوں۔" مگر شرط یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر امام شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی بنیاد پر کی جائے۔

اب ناظرین محترم خود انصاف کرسکتے ہیں کہ مولانا عبیداللہ مرحوم کی مکی زندگی علمی مشاغل سے بھرپور اور ذہنی و فکری عروج و کمال کی زندگی تھی۔ جس کی گواہی بین الاقوامی شہرت کا اس درجہ بلند پایہ عالم دین دے رہا ہے، یا دیوانگی اور ذہنی اختلاق کی؟ مولانا عبیداللہ سندھی کے تفسیری املی جو علامہ موسیٰ جار اللہ نے عربی زبان میں قلم بند کیا تھا، وہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سندھی مرحوم پر مکہ میں سکونت کے زمانے میں قرآن مجید کے اسرار و حکم اور سیاست مدینہ کے رموز و نکات کا فیضان الٰہی اتنا زیادہ ہوا کہ مرحوم کو امام یا مجتہد کہنا بے جا نہیں ہوسکتا۔ میرا دعویٰ ہے کہ موجودہ دور کا کوئی عالم جو نہ صرف صحیح الدماغ ہو بلکہ صاحب فہم ہو اور قرآن کی تفسیر سے اس کے ذہن کو خاص مناسبت بھی ہو۔ قرآن مجید کے بصائر و حکم اور اس کے عالمی سیاست کے رموز پر امام سندھی کے اعلیٰ فہم کے مقابلے میں ایک صفحہ

نہیں لکھ سکتا۔

(ب) اب ہم ایک دوسری شہادت قارئین محترم کے سامنے پیش کرتے ہیں:

مولانا محمد نور مرشد مکی ایک بڑے عالم دین ہیں۔ وہ نہایت وسیع البسط شخص ہیں۔ حدیث، تفسیر اور تاریخ و ادب میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو، جو ان کے مطالعے میں نہ آئی ہو، وہ ریاض میں سلطان ابن سعود کے شہزادوں کے استاد رہ چکے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی سے جب ان کی ملاقات ہوئی تو اپنی اعلیٰ درجے کی ملازمت اور نہایت آسودہ زندگی چھوڑ کر امام سندھی سے نسبت تلمذ کو انہوں نے اپنے لئے فخر جانا اور مولانا کی صحبت اختیار کرلی اور جب مولانا سندھی وطن تشریف لائے تو مولانا محمد نور مرشد مکی نے بھی اپنے وطن کو خیرباد کہا اور یہاں تشریف لے آئے تاکہ امام سندھی کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوسکیں۔

(ج) حضرت مولانا سندھی جب وطن تشریف لائے تو ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے دیوبند پہنچے اور مولانا مدنی کے مہمان ہوئے۔ میں اس زمانے میں دارالعلوم میں دورہ حدیث کا طالب علم تھا۔ حضرت امام سے میری پہلی ملاقات مولانا مدنی ہی کے مکان پر ہوئی تھی۔ میں ان کی صحبت میں بیٹھا اور ان کے اعلیٰ افکار اور بلند پایہ خیالات سے استفادہ کیا۔ مجھ پر ان کے علمی و سیاسی خطابات کا اتنا اثر ہوا کہ میں انہیں مجتہد تسلیم کرنے لگا۔ اس کے بعد سے ان کی زندگی کے آخری لمحوں تک ان کے قرب و صحبت سے فیض یاب ہوتا رہا لیکن میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کے خیالات و بیانات میں کوئی فتور یا تضاد ہے یا ان کے ذہن میں کسی قسم کا اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ مولانا سندھی پوری ہوش مندی اور حسن تدبر کے اپنا پروگرام سے مخاطبین کی ذہنی و فکری سطح کے مطابق مختلف انداز اور رسالت بیان میں پیش کرتے رہتے تھے، لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مولانا مدنی مدظلہ نہایت معروف اور کثیر المشاغل انسان ہیں، انہیں اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ مولانا سندھی کی بات کو توجہ کے ساتھ سن سکیں۔ ایسا ہوتا تھا کہ مولانا سندھی ان سے بات کرنے کے لیے موقع کے منتظر رہتے لیکن انہیں اس

مشاغل میں اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ وہ مولانا سندھی کی بات سن سکیں۔

(د) دارالعلوم میں دورہ حدیث سے فراغت پا کر میں نے پنجاب یونیورسٹی سے کچھ امتحانات پاس کیے اور ایک عرصہ مدرسہ دارالسعادت گورو پھوڑ (ضلع شکارپور سندھ) میں مصروف درس و تدریس رہنے کے بعد میں حضرت امام سندھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سندھ کے نامور علماء میں سے اس وقت میرے ساتھ مولانا علی محمد کا کیپوتہ مولوی فاضل، منشی فاضل، فاضل دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالحق ربانی ناظم جمعیت علمائے صوبہ سندھ، مولانا حافظ محمد خلیل صاحب سجاول اور کئی دیگر بزرگ بھی تھے۔ پنجاب سے مولانا بشیر احمد بی اے لدھیانوی اور مولانا خدا بخش صاحب لاہوری حاضر تھے۔ ہم سب نے درس تفسیر قرآن میں حضرت امام عبیداللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ایک عرصہ کے درس و استفادہ کے بعد ہم لوگ اس بات پر متفق تھے کہ مولانا سندھی کی ذات گرامی تفسیر، علوم قرآنی، فلسفہ، سیاست، تاریخ، فقہ وغیرہ میں امام وقت کے درجے پر فائز ہیں اور ہم لوگوں کو اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ مولانا کے علم کی گہرائیوں اور قابلیت کی کوئی حد نہیں۔ نیز یہ کہ موجودہ دور میں امام سندھی کے افکار کی روشنی میں ان کے پروگرام پر چل کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۳ء کا ہے۔

کیا ایک دیوانہ اپنے نفس و کمال سے ایک علمی جماعت کو اتنا متاثر اور ایسا گرویدہ بنا سکتا ہے؟ حضرت امام سے ہم لوگوں اور پچاسوں اہل علم کا تعلق ان کی زندگی بھر رہا۔ وہ ان کے درس و صحبت سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے لیکن ان میں سے کسی ایک شخص نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کے ذہن میں اختلاج پیدا ہوگیا ہے۔ بلاشبہ بیماری نے ان کی صحت کو تباہ کردیا تھا۔ بڑھاپے کے آثار روز بہ روز نمایاں ہوتے جارہے تھے اور کمزوری تیزی کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی، لیکن ان کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں میں ان کی وفات تک کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

۲- امام سندھی کے خلاف ایک سازش:

حضرت مولانا سندھی نے ایک ملاقات میں آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جب گورنمنٹ

نے میری وطن واپسی منظور فرمائی تو میرے خلاف ایک سازش تیار کرلی گئی تھی۔ سرکاری ایجنسیوں نے جن میں میرے استاد شیخ الہند کی سیاست کے مخالف علماء بھی شامل تھے، انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا تھا کہ مولانا عبیداللہ یورپ زدہ ہوگئے ہیں۔ کمیونزم سے متاثر ہیں، اب وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، ان کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ لیکن سوچنے والوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ:

(الف) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی اور مولانا سید حسین احمد مدنی جو صحیح الدماغ ہیں، اسی پروپیگنڈے کے مطابق وہ غلط کار اور گم کردہ راہ حق ہیں اور

(ب) مولانا عبیداللہ سندھی جو صحیح الفکر ہیں ان کے ذہن میں اختلاج پیدا اور دماغ خراب ہوگیا ہے۔

(ج) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن استاذ الاساتذہ کا انتقال ہوچکا تھا۔

اب کسے رہنما کرے کوئی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کی سیاست کہاں گئی برٹش استعمار کے خلاف ولی اللہی جہاد ناکام ٹھہرا، میدان حضرت شیخ الہند اور ان کی سیاست کی مخالفین کے سر رہا، گویا استعمار جیت گیا۔

حضرت امام سندھی فرماتے تھے کہ میرا سیاسی نظریہ اور تجربات یورپ کی انٹرنیشنل سیاست تک وسیع تھے۔ انہیں کوئی ایسا شخص یا پارٹی جس میں میری اپنی جماعت کے لوگ بھی شامل تھے، سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ موجودہ زمانے میں سیاست کلکتہ، دہلی یا ملک کے اندر کے حالات تک محدود نہیں رہے تھے۔ اب ہندوستان کی سیاست یورپ کی سیاست اور وہاں کے مشینی، صنعتی اور زراعتی انقلاب سے وابستہ ہوگئی تھی۔ اب کوئی ملکی پارٹی سیاسی جنگ میں اس وقت کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس کی نظر یورپ میں آنے والے انقلابات اور ان سے پیدا ہونے والی سیاسی تبدیلیوں پر نہ ہو۔ ہمارے ملکی رہنماؤں میں سے چند کے سوا کسی کی نظر ان حالات و انقلابات پر نہیں ہے، اس لیے وہ اس قسم کے پروپیگنڈے کے جلد شکار ہوجاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میرے خلاف پروپیگنڈہ کا جادو ان پر بہت جلد اثر کر گیا اور بیگانے تو بیگانے ہی تھے، میری اپنی پارٹی کے علماء بھی میرے پروگرام پر عمل کرتے تو بے در کنار میری بات پر غور کرنے اور سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ مولانا نے فرمایا: "اس لئے ہم نے اپنا روئے سخن نوجوان علماء اور انگریزی داں طبقے کی طرف موڑ دیا ہے۔"

۳- یہ بات بھی حقیقت کے مطابق نہیں کہ صبر و استقلال نے مولانا کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس بات کی تردید کے لئے یہ بیان کر دینا ہی کافی ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی ہر طرح کی مخالفتوں اور زہریلے پروپیگنڈے اپنے بڑھاپے اور حد درجہ جسمانی ضعف کے باوجود پوری استقامت اور تن دہی کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں بڑے بڑے شہروں سے لے کر قصبوں اور دیہات تک میں علماء منکرین سے لے کر عوام تک میں اپنے پروگرام کی اشاعت کے لیے آخر دم تک دورے کرتے رہے اور عوام و خواص کو خصوصاً مسلمانوں کو آنے والے انقلاب کی خبر دیتے رہے۔

۴- حضرت امام سندھی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد اور متخالف امور فرماتے رہتے تھے۔ اس کے جواب میں اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ احادیث کے اساتذہ کے سامنے روزانہ ایسے اقوال اور جملے آتے رہتے ہیں جن میں بہ ظاہر تضاد نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ موقع و محل کے لحاظ سے بیان و نصیحت اور تعلیم میں کوئی حکیمانہ فرق ہوتا ہے۔ یہ بات ہر واعظ و سلیم طبع انسان خوب جانتا ہے کہ ایک ہی بیان اور یکساں اسلوب ہر مخاطب کے لئے ہر گز مفید نہیں ہوتا۔ تمام علما نے امت نے ایسے سیاق و سباق میں جن میں تضاد و تخالف نظر آیا، ان میں تطبیق سے کام لیا ہے۔ خصوصاً ایسے علماء امت جن کی پوری زندگی مذہب، وطن کی آزادی کے لئے ایثار، قربانی کی اعلیٰ سے اعلیٰ مثال رہی ہو۔ جس نے تمام عمر درس و تدریس قرآن میں گذاری ہو جو زندگی کے آخری لمحوں تک خدمات دین کے کاموں اور قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح میں مصروف رہا ہو، اس کی زبان سے اگر کوئی ایسا جملہ صادر بھی ہو جائے جو کسی کے فہم سے بالا ہو یا اس میں کسی کو کوئی تضاد نظر آیا ہو تو لازم ہے کہ اول تو مولانا سندھی ہی سے

اس کا مطلب یا وضاحت بیان کرنے کے لئے کہا جاتا اور اگر ایسا نہ کیا جاسکا تھا تو اس میں تطبیق سے کام لیا جاتا، لیکن کیا ایسا کیا گیا تھا؟ کیا ان سے کسی نے ان کے کسی تضادِ بیان کے بارے میں کسی نے پوچھا تھا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ پھر سوال یہ ہے کہ امام سندھی کے وہ کون سے جملے ہیں، جن میں مولانا مدنی صاحب کو تضاد نظر آیا اور جن کی بنا پر انہوں نے مولانا سندھی کے ذہنی عدم توازن کا فیصلہ کردیا؟

ایک بات کا ہمیں ذاتی طور پر تجربہ ہے کہ مولانا امام سندھی کی مجالس میں ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے، اس میں عوام، خواص، طلبہ، علماء کے علاوہ سرکاری ملازمین اور سی آئی ڈی کے آدمی بھی شریک ہوتے ہوں گے۔ ہاں! اگر ان میں سے کسی نے کوئی ایسی بات بیان کی ہو جس سے حضرت مولانا مدنی اس نتیجے پر پہنچے ہوں تو ہمیں تعجب نہ ہوگا، لیکن مولانا نے کسی ایسی روایت کی طرف اشارہ نہیں کیا اور کوئی ایسی بات بھی نہیں لکھی جس سے عدم ذہنی توازن کا ثبوت ملتا ہو۔

۵- انہی تضادات بیان اور عدم ذہنی توازن کے سلسلے میں لکھا گیا ہے: "اسی امر نے مولانا کی اعلیٰ قابلیت اور بیش از بیش قربانیوں کے ہوتے ہوئے ہندوستانی پبلک اور سیاسی رہنماؤں میں اس پوزیشن اور رتبے کو مولانا مرحوم کے لیے حاصل نہ ہونے دیا جس کے وہ یقیناً مستحق تھے۔"

ذرا غور فرمائیے کہ مولانا اپریل ۱۹۴۹ء میں ۲۴، ۲۵ برس کی جلاوطنی کے بعد ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام صوبوں میں کانگریس کی یا کانگریس کے تعاون سے حکومتیں قائم تھیں۔ جن کے خلاف لیگ نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ انگریز اس زمانے میں غیر جانبدار ہونے کے باوجود لیگ کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ لیگ کو کھلی چھٹی تھی کہ جو چاہے کرے۔ کچھ ہی عرصہ بعد جنگ کے آثار نمایاں ہوئے، کانگریسی حکومتوں نے استعفیٰ دے دیا۔ مسلم لیگ نے یوم نجات منایا۔ پورا ملک افراتفری کی نذر ہوگیا۔ کرپس مشن آیا اور ناکام واپس گیا۔ کانگریس نے ملک چھوڑو کی تحریک شروع کی اور کل ہند سطح کے تمام رہنما گرفتار کرلئے گئے۔ ہنگامہ لبریز ہوا تھا کہ

مولانا امام سندھی نے اگست ۱۹۴۴ء میں انتقال فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ امام سندھی جیسا مفکر کسی کی ہاں میں ہاں نہ ملاسکتا ہو۔ کانگریس کی پالیسی سے جسے کلیتاً اتفاق نہ ہو، مسلم لیگ کی ہنگامہ آرائی میں اس کی اتباع نہ کرسکے۔ آزادانہ جدوجہد اور برٹش حکومت کی پالیسی سے ادائی انقلاب کے لیے ہنگامی حالات اور طرح طرح کے آرڈی نشستوں نے کوئی راستہ کھلا نہ چھوڑا ہو۔ مولانا سندھی ان حالات میں کیا مقام حاصل کرسکتے جو وہ حاصل نہیں کرسکے؟ کانگریس کے نزدیک اس وقت سب سے بڑی پوزیشن یہ تھی کہ آدمی جیل چلا جائے۔ مسلم لیگ کے نزدیک سب سے بڑا رتبہ یہ تھا کہ جنگی پالیسی میں حکومت کا ساتھ دیا جائے اور آدمی بھرتی کرائے جائیں اور تمغہ خدمت اور اعزازی سند حاصل کی جائے۔ مولانا امام سندھی سیاسی رہنماؤں میں یہ پوزیشن اور ہندوستانی پبلک میں یہ مقام حاصل نہیں کرسکے تھے اور اگر ان پر یہ الزام ہے تو پھر واقعی ان کا دفاع نہیں کرسکے۔ سیاسی جماعتوں میں ایک اہم جماعت علماء ہند تھی۔ سوال یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء سے اس وقت تک اس نے مسلم لیگ اور مسلمان عوام کی گالیاں کھاتے، بے عزت ہوتے اور جیل جانے اور تکالیف اٹھانے کے سوا اور کیا پوزیشن حاصل کی ہے؟ لیکن ٹھیک اس مدت میں (اپریل ۱۹۳۹ء تا آگست ۱۹۴۴ء میں مولانا سندھی کی زندگی میں تعطل اور بے عملی کی زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں آیا۔ انہوں نے اس دوران میں چند نہایت بلند پایہ مقالات لکھے (یا املاء کرائے) کراچی اور حیدر آباد سے لے کر لاہور، دلی اور کلکتہ ومدراس کے طویل سفر کیے۔ اندرون سندھ میں تو چھوٹے چھوٹے قصبات و دیہات تک دورے کیے اور ہر جگہ جلسوں سے خطاب کیا۔ طلبہ، علماء اور جدید تعلیم یافتہ سینکڑوں افراد سے ملاقاتیں کیں اور مذہبی و سیاسی افکار کی تبلیغ و ارشاد میں وقت صرف کیا۔ علمی اور تعلیمی، سیاسی ادارے، بیت الحکمت وغیرہ قائم کیے۔ سندھ ساگر پارٹی کے پروگرام کی اشاعت، سندھ میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تو خود اپنے شاگردوں، پیروں اور دوستوں کو دیہات میں بھیجا اور خود بھی، گاؤں گاؤں جا کر امن کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔ جہاں گئے ولی اللہی افکار کی اشاعت اور تعلیم و تدریس قرآن کے کاموں کو جاری کیا۔ مسلمانوں

میں جمود اور رجعت پسندی کے خلاف جہاد کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں ولی اللہی افکار کی تعلیمات و تدریس کے لیے خصوصی درجے کے قیام اور ان کے طلبہ کے لئے وظائف کے حصول کی سعی کی۔ کانگریس کے اندر ایک کے قیام اور حکمت عملی کی بنیاد پر ذہنی وفکری انقلاب لانے کی جدوجہد کی اور زندگی کے آخری لمحوں تک اسی فکر و عمل میں مصروف رہے اور انقلابی فکر و عمل کے لیے ایسی بنیادیں قائم کرگئے کہ آج انہیں مسلمہ طور پر امام انقلاب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مولانا امام سندھی کی بعض نہایت نکتہ انگیز اور قابل قدر تالیفات و امالی، خطبات و تقاریر کی اشاعت کے علاوہ مسلمان اہل علم میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار کے مطالعے کے علاوہ مسلمان نوجوانوں میں اسلامی تعلیمات اور تاریخ فقہ اور قرآن حکیم کے مطالعے کا ذوق پیدا ہوا ہے اور مسلمان علوم رئیسہ کے طلبہ کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں بھی اسلام اور شاہ ولی اللہ کے افکار کے مطالعے سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ کئی لوگوں نے استعمار پرستی سے رجوع کرکے اسلامی فلسفہ انقلاب کو اپنایا ہے اور ولی اللہی انقلابی افکار کو بنیاد دے کر فکر ومطالعہ کا نیا سفر شروع کیا ہے۔ اس بیداری کے نتیجے میں مولانا سندھی کی شخصیت اور فکر و سیرت کے مطالعے اور تصنیف و تالیف پر توجہ دی ہے اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو ایک انقلابی سیاسی مرکز سمجھا جانے لگا ہے اور اس کے بزرگوں کے سیاسی قومی خدمات اور قومی رہنما کی حیثیت سے ان کی اہمیت کا نقش اجاگر ہوا ہے۔

ملک میں اس بیداری کے نتیجے میں سرکاری ایجنسیوں کے حلقے میں تہلکہ مچ گیا ہے اور انہوں نے مولانا امام سندھی کے خلاف طرح طرح سے پروپیگنڈا شروع کردیا ہے اور بعض مقامات میں لیگیوں نے مولانا امام سندھی کے خلاف نہ صرف توہین آمیز شرمناک رویہ اختیار کیا بلکہ مدراس میں تو ان کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ وہ اس مخالفت میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ مخالفت کا یہ طوفان چھٹ جائے گا اور حقیقت کی روشنی ضرور پھیلے گی۔ ملک میں جو بیداری پیدا ہوتی ہے، اسے

غفلت سے بدلا نہیں جاسکتا۔ اب یہ بات ممکن نہیں ہے کہ مولانا عبداللہ سندھی جیسے مجدد دین کو جس کی ساری زندگی فلسفہ ولی اللہی کے مطالعے اور ان کے فلسفے کی اشاعت میں گذری ہے اور مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا شیخ الہند کے مسلک دینی و سیاسی پر عمل میں گذری ہے۔ اب انہیں اس راہ سے الگ کیا جاسکے اور کام سے انہیں روک دیا جائے اور انہیں اس راہ و منزل سے بے خبر اور اس مسلک سیاسی و دینی سے برگشتہ قرار دینے میں کامیابی حاصل کی جائے۔

چنانچہ ہم اس بات کو اسی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے اس بیان کا اہل علم پر اثر نہیں ہوا جس کی توقع کی جاسکتی تھی۔ حالانکہ اس کی اشاعت میں حضرت مولانا سے زیادہ بعض دوسرے حضرات نے سرگرمی دکھائی اور ان خیالات کو پھیلانے میں ساعی ہیں، حالانکہ انہیں مولانا مدنی صاحب سے اور ان کے خیالات سے ذرا بھی بے چینی نہیں ہے۔

مولانا سندھی کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار میں عبور ہے اور حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند سے انہیں جو عشق ہے اسے غیر بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں چنانچہ سید سلیمان جیسے حضرات بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار میں مولانا سندھی کی نظر بہت گہری ہے اور شاہ صاحب کے علوم و افکار کا عالم اور ماہر مولانا سندھی کے سوا اس وقت کوئی اور نہیں ہے۔

ہمارے بزرگ ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت سی باتوں کے باوجود ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں ان کی کیا حقیقت ہے اور انہوں نے کیا مقام حاصل کیا ہے اور انہوں نے اپنے کتنے جان نثار اور پیروکار پیدا کیے ہیں اور ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں جن حضرات نے ان بزرگوں کا تعاون حاصل کیا تھا اور سیاسی کامیابی حاصل کی تھی۔ دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے کامیابی کے بعد نہ صرف ان سے قطع تعلق کرلیا تھا بلکہ انہیں بے عزت اور بدنام کرنے کی بھی کوشش کی تھی اور اس کے بعد بھی ان کا جو رویہ رہا وہ سب کے سامنے ہے۔

افسوس صد افسوس کہ جس شخص (مولانا امام سندھی) نے امام ولی اللہ، مولانا نانوتوی، حضرت شیخ الہند اور دارالعلوم دیوبند کو دنیا سے متعارف کرایا، آج اسی ہستی کو ان بزرگوں سے برگشتہ ثابت کیا جارہا ہے اور اسی مسلک سے جس کے لئے انہوں نے قربانیاں دی تھیں، ان کا رشتہ کاٹا جارہا ہے۔ افسوس!

آخر میں اس شعر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں

آں دل کہ دَم خوردہ از خوبرو جوانی
دیرینہ سال پیرے مرزاں بیکس نگاہے

(توحید کراچی اپریل ۱۹۴۵ء)

فیوض الحرمین

مع ترجمہ اردو

سعادت کونین

قسط:۵

تصنیف لطیف: شاہ ولی اللہؒ

وهذه حقيقة نزول الشرائع على الانبياء وحيا ونزول الطرق على الاولياء كشفا والهاما فيسمع منه هذا المحتاج الى الواسطة كلاماً دالاعلى النظام المراد فتبادر اليه فطرته فياخذ منها خلق السمت الصالح وخلق الحكمة بتوفيق الله مما يناسب خويصة نفسه ويدع امر العامة فيتمثل بين عينيه النظام المراد ويكون حكما فصلا فى جميع اموره فيفوز بالسعادة ويكون ممن هدى الى صراط مستقيم وكان سيدنا عمر رضى الله تعالىٰ عنه ممن استوجب عقله بعد معرفة ما يناسب بخويصة

اور یہ ہی حقیقت نزول شرائع کی نبیوں پر ازروئے وحی اور نزول طریقہ اوپر اولیاء کے از روئے کشف اور الہام کے تو محتاج واسطہ کا سنتا ہے اس سے ایسا کلام جو دلالت کرتا ہے اوپر نظام مراد کے پس متبادر ہوتی ہے اس کامل کی طرف اس کی فطرت اس سے اور اخذ کرتی ہے خلق سمت صالح اور خلق حکمت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جس قدر کہ اس کے خواص نفس کے مناسب ہے اور چھوڑ دیتا ہے امر عامہ کو پس متمثل ہوجاتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے نظام مراد اور ہوجاتا ہے حکم فیصل سب امور میں تو وہ فائز ہوتا ہے سعادت کو اور ہوجاتا ہے ان میں سے جنھوں نے صراط مستقیم کی ہدایت پائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ ان میں سے تھے جن کی عقل مستوجب ہوئی بعد معرفت کے اس شے کے جو مناسب